علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ "معارج الوصول" کا ترجمہ

اصل الاصول

(از عبد الحلیم ناظم صدیقی "مولوی فاضل" مدیر محدث و مدرس رحمانیہ)

اور خدا کے قول علمتم مالم تعلموا" (جسے تم لوگوں نے نہ جانا تھا جان لیا) کو مشرکین کیلئے اس چیز پر حجت بنائی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ لہذا ایک جماعت کے نزدیک یہ آیت موسیٰؑ کی نبوت کی دلیل ہے اور دوسری کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلیل ہے۔ دراصل ان دونوں نبوتوں پر بیشمار دلائل ہیں جن میں اکثر قرآن مجید میں متعدد جگہ بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ اسکو "تا" ہی کے ساتھ (یعنی تہ وتہا) پڑھتے ہیں اسوقت خطاب اہل کتاب سے سمجھا جائیگا۔ اور خدا کا قول "علمتم مالم تعلموا" (جسے تم لوگوں نے نہ جانا تھا جان لیا) اس کا بیان ہے جسے انبیاء کرام لائے اور انھوں نے اس کا انکار کیا تو انبیاء نے انھیں اس چیز کی جسکو نہ تو انھوں نے قبول کیا نہ جانتے تھے تعلیم دی۔ چنانچہ جو کچھ وہ لوگ انبیاء کی خبریں جانتے تھے اور جو کچھ نہ جانتے تھے انھیں سے استدلال کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا اور ان کے دلائل اور انکی وہ نشانیاں ظاہر کیں جو زبردست اور غالب ترین براہین کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ کی اس نشانی ہی کا کرشمہ تھا کہ جس وقت خدا نے حضرت موسیٰ کی حقانیت ظاہر کردی اور وہ ایسی نشانیاں لیکر آئے جو بے اختیار جان لی گئیں کہ بلاشبہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں جادوگروں کو جمع کیا انھوں نے اپنے ڈنڈے اور رسیاں ڈالکر ایک عجیب جادو جگا دیا اور تمام لوگوں کی نظروں میں جادو کے کرشمہ پیدا کردیئے چنانچہ لوگ ان رسیوں کو سانپ بنتے دیکھکر ڈر گئے۔ یکایک حق ظاہر ہوا اور حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا زمین پر ڈالدیا جو اژدہا بن گیا اور جادوگروں کی تمام رسیوں اور ساحرانہ کارگذاریوں کو نگل گیا۔ خدا کی اس حق نشانی کا یہ اثر ہوا کہ تمام جادوگر فرعون سے پھر کر حضرت موسیٰ کے سامنے گر پڑے اور بے اختیار حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے بول اٹھے۔

امنا برب العالمین رب موسیٰ وھارون ۔ ہم سارے جہان کے پروردگار موسیٰ اور ہارون کے خدا پر ایمان لے آئے۔

فرعون کی ساری کارستانی ناکارہ ثابت ہوئی وہ جادوگروں پر غصہ ہوتے ہوئے بولا۔ میری اجازت کے قبل تم لوگ ایمان لے آئے؟ ہاں موسیٰ تم میں سب سے بڑا جادوگر ہے اسی نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ لہذا ہم تمہارے ہاتھ پاؤں خلاف جانب سے کاٹیں گے اور تم کو کھجور کی شاخوں پر سولی دینگے۔ اسوقت تمہیں معلوم ہوگا کہ ہم میں عذاب کے اعتبار سے کون زیادہ سخت اور باقی رہنے والا ہے۔ جادوگروں نے کہا۔ اب ہم تمہاری پیروی ہرگز نہیں کرسکتے۔ ہمارے پاس کھلی ہوئی دلیلیں اور یقینی بینات آگئے کہ حق کیا ہے؟ ہمیں اپنے پیدا کرنیوالے پروردگار کا سچا راستہ معلوم ہوگیا۔ ایسے پروردگار پر یقینی دلائل ہوتے ہوئے ہم تمہیں ترجیح نہیں دیسکتے۔ پس تم ہمارے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر ڈالو۔ تمہارا فیصلہ

ہماری زندگی پر مترتب اور نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ جسکی ہمیں پروا نہیں۔ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے ہیں کہ خدا ہمارے گناہ بخشدے اور تمہارے مجبور کرنے سے جو کچھ جادو وغیرہ کا ہم ارتکاب کرتے تھے اسے بھی معاف کردے بلاشبہ خدا ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اس قصہ کو قرآن میں متعدد جگہ ذکر کیا ہے۔ اور ہر جگہ طرز تعبیر و استدلال کی نوعیت بالکل اسی طرح جداگانہ ہے۔ جس طرح خدا اور اس کے رسول اور اسکی کتاب کے متعدد نام لئے جاتے ہیں اور ہر اسم ایسے معنی کو بتاتا ہے جسکو دوسرا اسم نہیں بتا سکتا۔ اس میں تکرار نہیں ہوتی بلکہ آیتوں کی نوعیں بیان کیجاتی ہیں۔ جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام دیکھیں تسیقت "محمد، احمد، حاشر، عاقب، مقفی، نبی الرحمۃ، نبی التوبہ، نبی الملحمہ کہا جاتا ہے تو ان میں ہر نام ایک ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جس پر دوسرا نہیں دلالت کرتا۔ اگرچہ ذات ایک ہی ہے لیکن صفات کی مختلف نوعیتیں ہیں جن کیلئے جداگانہ نام بولے جاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کو لیں۔ جب اس کیلئے قرآن، فرقان، بیان، ھدی، بصائر، شفا، نور، رحمت اور روح کہا جاتا ہے تو ہر نام ایسے معنی کا حامل ہوتا ہے جس کا حامل دوسرا نہیں ہوتا۔

مزید تفصیل کیلئے خود خدا تعالےٰ کے مبارک ناموں پر غور کریں۔ جب خدا تعالیٰ کیلئے کہا جاتا ہے "ملک، قدوس، سلام، مومن، عزیز، جبار، متکبر، خالق، باری اور مصور" تو ان میں بھی ہر نام میں ایک ایسا معنی ہے جو دوسرے میں نہیں ذات تو ایک ہے لیکن صفات متعدد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ذات کیلئے اس کے متعدد صفات کے اعتبار سے جسوقت جس صفت کا بیان مقصود ہو اسکو ظاہر کرنیوالا جداگانہ نام بول سکتے ہیں۔ یہ تو مفرد ناموں کی تمثیلی کیفیت تھی۔ بالکل اسی طرح پورے جملہ میں بھی مختلف طریقہ تعبیر پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک قصہ کو ایک مرتبہ ہم چند جملوں سے بیان کرتے ہیں۔ یہ جملے اپنے اصلی معنی کو بتاتے ہیں۔ پھر دوسری مرتبہ اسی قصہ کو ہم دوسرے جملوں سے ادا کرتے ہیں۔ اب یہ جملے پہلے جملوں سے جداگانہ معنی بتلاتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ قصہ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر اسکی صفتیں علیحدہ علیحدہ ہوتی ہیں جسوقت جس صفت کا بیان مقصود ہوتا ہے اسوقت اس صفت کے مناسب جملے لائے جاتے ہیں لہذا ہر جملہ ایک ایسے معنی کو بتاتا ہے جو دوسرا جملہ نہیں بتاتا۔ اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ قرآن کریم میں تکرار ہرگز نہیں۔ بظاہر جہاں ایک واقعہ کے اعتبار سے تکرار نظر آتی ہے وہاں دراصل ہر موقع کی مراد جدا اور ہر تکرار کا مقصد علیحدہ ہوتا ہے۔

بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے قصوں کے بیان کرنے میں اسقدر تکرار کیوں کی۔ ایک ہی موقعہ پر بیان کردینا کافی تھا۔ ہم کہیں گے کہ اس میں بھی حکمت ہے۔ اور حکمت یہ ہے کہ عرب کے مختلف وفد اطراف وجوانب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔ رسول اللہ کے حکم سے مسلمان انہیں کچھ قرآن پڑھا دیتے۔ یہی ان کیلئے کافی ہو جاتا اور وہ لوگ مختلف علاقوں میں تمام قبائل میں پھیل جاتے۔ پس اگر قرآن کی آیتیں اور قصے دہرے اور مکرر نہ ہوتے تو ہر قبیلہ کیلئے الگ الگ ایک ایک قصہ پہونچتا۔ کسی قوم کے پاس قصہ موسیٰ پہونچتا تو کسی کے پاس قصہ عیسیٰ اور کسی کے پاس قصہ نوح۔ لیکن خدا تعالیٰ کا مقصد یہ نہیں بلکہ خدائے قدوس نے ان تمام قصوں کو زمین کے تمام اطراف واکناف میں مشہور کرنا چاہا اور ہر ایک کان کو تمام قصے سنانے کا ارادہ کیا اسی لئے ان امور کو بار بار اور مکرر ذکر فرمایا۔ یہ ان لوگوں کا سوال ہے جنھوں نے

قرآن کا پوری طرح اندازہ نہیں لگایا۔ ابوالفرج سے جب پوچھا گیا کہ قرآن کی بعض آیتیں دوبارہ کیوں نازل ہوئیں؟ اس نے اپنے مثانی میں اسی قسم کا جواب دیا جو میں نے تحریر کیا ہے کیونکہ تثنیہ یعنی دوبارہ نازل کرنا بھی دراصل تنویع و تجنیس ہے یعنی نوعیں اور جنسیں بیان کرنی ہیں جسے اقسام کی تکمیل و تتمیم کہتے ہیں۔ اسی لئے سلف میں سے اکثر لوگ اس تکرار کی تشریح بھی کرتے ہیں کہ تمام قسمیں اور مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

الغرض یہاں تفصیل بالا سے اس بات پر تنبیہہ کرنی مقصود ہے کہ قرآن ان تمام اصول دین کو شامل ہے جن کا یہ نام مستحق ہے۔ اور تمام براہین آیات اور دلائل یقینیہ کو حاوی ہے۔ بخلاف اسکے یہ بدعتیوں اور ملحدوں نے جو بدعتیں بیان کی ہیں وہ کچھ بھی قابل توجہ نہیں۔ جیسا کہ امام رازیؒ ان لوگوں کے طریقوں کے متعلق اپنے خاص مدلل انداز میں فرماتے ہیں کہ میں نے متکلمین کے تمام طریقوں اور فلاسفہ کے سارے مسلک میں بہت کچھ غور و خوض کیا لیکن میں نے انھیں ایک بیمار کو شفا دینے والا اور ایک پیاسے کو سیراب کرنیوالا نہیں پایا۔ میں نے حق کو ثابت کرنیکا قریب ترین راستہ قرآن ہی کا راستہ دیکھا۔ سچ ہے۔

الیه یصعد الکلم الطیب	اسی کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں۔
الرحمٰن علی العرش استوی	خدا عرش پر غالب ہوا۔

اور نفی میں ہم پڑھتے ہیں

لیس کمثله شئ۔	اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔
ولا یحیطون به علماً	وہ لوگ اس کا احاطہ از روئے علم نہیں کرینگے۔

امام رازی فرماتے ہیں جو شخص میری طرح عمیق تجربہ کریگا تو میری ہی طرح حقیقت و اصلیت کی پہچان بھی حاصل کریگا تمام خیر، سعادت، صلاح اور کمال صرف دو قسموں میں منحصر ہیں۔ علم نافع، اور عمل صالح میں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں قسموں کے افضل ترین امور کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ یعنی رسول اللہ ہدایت اور دین حق لیکر آئے تاکہ خدا تعالیٰ تمام دینوں پر اس دین حق کو غالب کردے۔

وکفی باللہ شہیدا اور اللہ تعالیٰ جیسا شہید کافی ہے۔ خدا تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔

واذکر عبادنا ابراهیم واسحٰق ویعقوب	ہمارے بندے ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کو یاد کرو جو ہاتھوں
اولی الایدی والابصار۔	(عمل) اور آنکھوں (علم) والے تھے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کی شان میں انھیں دو قسموں کو ذکر کیا۔ والبی نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اولی الایدی سے مراد اولوالقوۃ فی العبادۃ ہے (یعنی عبادت میں قوت والے) یہی چیز تو عمل صالح ہے ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ۔ سعید بن جبیر، عطار خراسانی، ضحاک، سدی۔ قتادہ، ابی سنان اور مبشر بن عبید سے اسی قسم کی روایت ہے حضرت ابن عباس نے ابصار کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد الفقہ فی الدین (دین میں سمجھ) ہے۔ مجاہد نے کہا ابصار سے مراد فیصلہ کی درستگی ہے۔ سعید بن جبیر ابصار کی تفسیر کرتے ہیں "اللہ کے دین اور اللہ کی کتاب میں بصیرت"۔ عطار خراسانی سے

۔ ۔ اولی الایدی والابصار کے معنی "عبادت میں قوت والے اور اللہ کے امر کا علم و بصیرت رکھنے والے ہیں۔

قتادہ کی تفسیر ہے کہ وہ لوگ عبادت میں قوت اور دین میں بصیرت دیئے گئے۔ الغرض یونان۔ ہندوستان، اور عرب وغیرہ تمام ملکوں اور قوموں کے حکما، و فلاسفر انہیں دونوں قسموں کو بہتر سمجھتے ہیں۔

ابن قتیبہ کا قول ہے۔ عرب کے نزدیک حکمت علم و عمل ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کو پوجنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانا عمل صالح ہے۔ اور یہی حقیقت دین اسلام ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن وغیرہ کی جو کچھ خبر دی ہے اسکی تسلیم و تصدیق کو علم و ہدایت کہتے ہیں۔ لہذا علم نافع کا نام ہی ایمان اور عمل صالح ہی کا نام اسلام ہے۔

یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ علم نافع وہ چیز ہے جسے اللہ نے سکھایا ہے۔ اور عمل صالح خدا کے ان احکام پر عمل کرنا ہے۔ وہ جو کچھ رسول نے خبر دی اسمیں انکی تصدیق ہے اور یہ جو کچھ خدا نے حکم کیا اسمیں اسکی اطاعت ہے پہلے کا ضد یہ ہے کہ جو چیز معلوم نہیں اس کا خدا پر اتہام لگایا جائے۔ اور دوسرے کا ضد یہ ہے کہ خدا کے ساتھ اس چیز کو شریک کیا جائے جس پر خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ تشریح بالا سے صاف ظاہر ہے کہ پہلی چیز یعنی علم و ایمان بہ نسبت دوسری چیز یعنی عمل و اسلام کے زیادہ شریف و بہتر ہے۔ چنانچہ ہر مومن مسلم ہو سکتا ہے اور ہر مسلم کا مومن ہونا ضروری نہیں۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔

قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا — دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے۔ اے پیغمبر ان سے کہدو تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ کہو کہ ہم اسلام لائے۔

(یہ آیت اپنے مفہوم میں ظاہر ہے کہ ایمان کی تو نفی کی گئی مگر اسلام کو ثابت کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ مسلم کیلئے مومن ہونا ضروری نہیں بغیر ایمان کے اسلام کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ گویا ایمان و اسلام میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے)

تمام گروہ انہیں دونوں قسموں یعنی علم و عمل کو افضل و بہتر قرار دیتے ہیں۔ لیکن جس چیز (قرآن) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے وہ ان دونوں میں جتنی چیزیں ہیں ساری چیزوں میں افضل ترین ہے۔

خدا فرماتا ہے۔

ان هذا القران یهدی للتی هی اقوم — بلاشبہ یہ قرآن ایسے راستہ کی رہنمائی کرتا ہے جو بہت زیادہ سیدھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نماز فجر کی دونوں رکعتوں میں سورۂ اخلاص اور قل یاایہا الکافرون پڑھتے تھے۔ کیوں؟ اسلئے کہ سورۂ کافرون میں فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ذکر ہے جو مقتضائے اسلام ہے۔ اور سورۂ اخلاص میں یعنی قل ہو اللہ احد میں خدا کی صفتیں ہیں اور یہ کہ اس کے متعلق وہی کہا جائے اور خبر دی جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ یہی ایمان ہے۔ پس توحید قولی ہے اور وہ توحید عملی۔

(باقی آئندہ)